انیس ناگی کے افسانوی ادب کی تانیثی جہت

ناہید ناز (پی ایچ ڈی سکالر)
ڈاکٹر نجیبہ عارف (صدر شعبہ اُردو)
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

Abstract

Dr. Anees Nagi (1939-2010) is a celebrated researcher, critic, fiction writer, poet, translater and colomn writer. He was a well-read and knowledgable person. His vast study of the modern French philosophical writers, poets and critics like Jean Paul Sartre, Albert Camus, Arthur Rimbaud, John Perse gave a philosophical vision to his writings. He was genuinely considered as a modernistic writer and his fiction and poetry reflects most of the modern theories, ideas and approaches.This article is an attempt to study the feminist approach in Anees Nagi's fiction.

تانیثیت (Feminism) حقوقِ نسواں کی علمبردار تحریک ہے جو باضابطہ طور پر اٹھارھویں صدی عیسوی میں عورت کے حقوق کے تحفظ کے لیے ابھری۔اس تحریک میں عورت کے حوالے سے رائج تہذیبی، مذہبی اور سماجی اقدار کے خلاف بغاوت کا عنصر شامل تھا۔انسانی تاریخ کے اوراق پلٹے جائیں تو یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ مادرانہ نظامِ معاشرت کے بعد عورت ذلت واستحصال کا شکار رہی ہے۔زرعی سماج کے آغاز سے عورت بھی اسی طرح مرد کی ملکیت قرار پائی جیسے زمین۔روٹی روزی مرد کے تصرف میں چلی گئی اور ساتھ ہی عورت بھی۔زمین، آلاتِ پیداوار اور اس سے حاصل ہونے والی اجناس کا مالک اور نگہبان مرد بنا۔وہ رفتہ رفتہ بااختیار اور طاقت ور ہوتا چلا گیا جبکہ عورت پیچھے ہٹتی چلی گئی۔یونانی تاریخ کے ابتدائی ادوار میں عورت فعال کردار کی حامل رہی ہے۔لیکن بعد میں رومی عہد سے لے کر یہودیت اور عیسائیت تک کے طویل زمانی دورانیے میں عورت کا سماجی مقام و مرتبہ انتہائی پست رہا ہے۔سینٹ آگسٹائن (Saint Augustine)

> (۳۵۴ء۔۴۳۰ء) جو عیسائیت کا معتبر شارح گزرا ہے، عورت کو گناہ، بدی اور شر کی علامت قرار دیتا ہے اور مردوں کو عورت سے دور رہنے اور تجرد کی زندگی گزارنے کی ہدایت دیتا ہے۔(۱)

عورت سے نفرت انسانی تاریخ کے ہر دور کا المیہ رہا ہے۔اسے حیلہ گر، جادوگر، ڈائن اور نحس قرار دیا گیا۔

عہدِ وسطیٰ میں عورتوں کو جادوگرنی (Witch) قرار دے کر قید و بند کی صعوبتیں دی گئیں۔ اس الزام کی تعزیر میں لاکھوں عیسائی عورتوں کو زندہ جلا دیا گیا۔ اس سے ملتی جلتی صورت حال بعد کے معاشروں میں بھی قائم رہی۔ جاگیردارانہ اور صنعتی معاشروں میں عورت کو تاریخی اور تہذیبی حوالوں سے ثابت کر دیا گیا کہ وہ فطرتاً کمزور ہے، ناقص العقل ہے، لہٰذا اس کا کام مرد کی جنسی ضرورت کی تکمیل، بچوں کی پیدائش اور ان کی پرورش ہے۔ گھر میں عورت کو بطور بیوی قید رکھا گیا جبکہ حرم میں باندی اور عیش کدوں میں طوائف ٹھہری۔ بردہ فروشی کے کاروبار میں جنسِ بازار بن گئی۔ پدرسری معاشروں میں عورت کو ذہنی طور پر اس امر کے لیے آمادہ کر لیا گیا کہ وہ اس نظام میں اپنی کم تر اور انفعالی حیثیت قبول کر لے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے لیے گھر سے نکلنے، تعلیم حاصل کرنے یا کسی بھی باشعور سماجی عمل میں شرکت کرنے کی ممانعت رہی۔

یہ حقیقت ہے کہ جسمانی اعتبار سے مرد اور عورت میں فرق، سماجی سطح پر ان کی فعالیت میں تفریق کا باعث ہے۔ مرد جسمانی اعتبار سے عورت نہیں ہو سکتا نہ ہی عورت، مرد بن سکتی ہے۔ لہٰذا جبلی عوامل میں دونوں الگ اصناف ہیں۔ لیکن اس بنا پر دونوں کے سماجی مقام و مرتبے میں تخصیص، بالخصوص عورت کو مرد کی نسبت منفعل قرار دینا کسی طور روا نہیں۔ یہی وہ بنیاد ہے جس پر تانیثیت کی عمارت استوار ہوئی۔

> میری وول سٹون کرافٹ (Mary Wollstoncraft) (۱۷۵۹ء-۱۷۹۷ء) برطانوی خاتون ہیں جنھوں نے حقوقِ نسواں کے تحفظ کے لیے آواز اٹھائی۔ ۱۷۸۷ء میں تحریر کردہ Thoughts on the Education of Daughters اور ۱۸۹۰ء میں A Vindication of the Rights of Women نامی کتابیں حقوقِ نسواں کی تحریک کا منبع ہیں۔ ان کتابوں میں میری وول سٹون کرافٹ نے نہ صرف خواتین کے مساوی حقوق اور آزادی کی بات کی ہے بلکہ خواتین کو ان کے پست معاشرتی رویوں پر طعن بھی کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ آخر خواتین خود کو مرد کے تابع قرار دینے کے لیے اتنے جتن کیوں کرتی ہیں؟ مرد کو خوش کرنے کے لیے ہار سنگھار کرتی ہیں، مرد کی ایک نظرِ التفات کے حصول کے لیے ستاروں کی چال، زائچوں کے جال بنتی ہیں اور ہاتھ کی لکیروں پر یقین رکھتی ہیں۔ (۲)
>
> کیتھرین میکالے (Catharine Macaulay) (۱۷۳۱ء-۱۷۹۱ء) نے Letters on Education نامی کتاب لکھی جس میں واضح طور پر اس حقیقت کی طرف نشان دہی کی گئی کہ خواتین کے ساتھ منسوب کی جانے والی کمزوریاں فطری نہیں، محض تعلیم کی کمی کی بنا پر ہیں۔ (۳)

اٹھارھویں صدی عیسوی سے اب تک تانیثیت کے تین ارتقائی مراحل یا لہریں (Waves) متعین کی گئی ہیں۔ اس سے قبل جتنی انفرادی کاوشیں ہیں وہ تانیثیت کی تحریک کے مرکز و اجتماع کا حصہ نہ تھیں۔ پہلی تانیثی لہر برطانیہ میں انیسویں صدی کے وسط میں باربرا باڈیکون (Barbra Bodichon) (۱۸۲۷ء-۱۸۹۱ء) اور بیسی

ریز پارکس(Bessie Rayner Parkes)(۱۸۲۹ء۔۱۹۲۵ء) کی سربراہی میں عورت کے بارے میں سماجی اور قانونی عدم مساوات کے خلاف بغاوت کے طور پر ابھری۔ اس لہر کی بنیادی توجہ عورت کی تعلیم، روزگار اور شادی کے متعلق قوانین پر تھی۔

> تانیثیت کی دوسری لہر پہلی عالمی جنگ (۱۹۱۴ء۔۱۹۱۸ء) کے بعد شروع ہوئی۔ یہ لہر برطانیہ میں ملک گیر پذیرائی حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ دیگر یورپی ممالک، فرانس اور امریکہ تک پھیل گئی۔ تانیثیت کی اس لہر میں عورت کی سماجی حیثیت، قانونی مساوات اور تعلیم کے ساتھ ساتھ لسبئین (Lesbian) ایشوز اور دیگر جنسی مسائل بھی شامل ہو گئے۔ فرانس کی سیمون ڈی بوائر(Simone De Beauvior)(۱۹۰۸ء۔۱۹۸۶ء) کا تعلق تانیثیت کی دوسری لہر سے ہے۔ اس کی کتاب The Second Sex کو تانیثیت کے منشور کا درجہ حاصل ہے۔ اس کتاب میں اس نے جسمانی، ذہنی اور ثقافتی حوالوں سے عورت اور مرد کی برابری کو ثابت کیا ہے اور پدری نظاموں میں عورت کی غلامانہ حیثیت کو موردِ تنقید بنایا ہے۔ اس کا موقف ہے کہ عورت ڈائن ہے نہ فرشتہ، صرف انسان ہے لیکن معاشرے کے احمقانہ رسوم و رواج کے ہاتھوں نیم غلام بن چکی ہے۔(۴)
>
> تانیثیت کی یہ لہر مختلف نسوانی اور جنسی مسائل میں اختلافات کی وجہ سے ۱۹۹۰ء کے لگ بھگ اختتام پذیر ہوئی۔ تانیثیت کی تیسری لہر بیسویں صدی کی آخری دہائی سے تھوڑا پہلے شروع ہوئی۔ اسے جدید تانیثیت (Modern Feminism) کہا جاتا ہے۔ اس لہر میں شامل خواتین کی عمریں تیس سے چالیس سال کے درمیان تھیں۔ اس لہر کا مطمحِ نظر عورت کی ذات کا اثبات تشخص اور انفرادی خودمختاری کا حصول تھا۔۵ تانیثی تحریک کی تیسری لہر اس حوالے سے بھی اہم ہے کہ اس میں عورت کا بطور انسان واضح نقطۂ نظر سامنے آیا کہ اب عورت ادعائیت کی حامل (Assertive) ہے، طاقتور ہے اور اپنی جنسیت (Sexuality) پر اسے خود اختیار ہے۔(۶)

پچھلی تین صدیوں سے ارتقا پذیر یہ تانیثی تحریکیں، مختلف ادوار میں مختلف فلسفوں سے اثر پذیر رہی ہیں۔ ان میں سوشلسٹ تانیثیت (Marxist Feminism)، ریڈیکل تانیثیت (Redical Feminism)، لبرل تانیثیت (Liberal Feminism)، مابعد نوآبادیاتی تانیثیت (Post Colonial Feminism) اور اسلامی تانیثیت (Islamic Feminism) اہم ترین ہیں۔ یہ تانیثی تحریکیں دنیا بھر میں مختلف سماجی، سیاسی اور معاشی تناظر میں عورت کے حقوق کی پاسداری کے لیے سرگرمِ عمل ہیں۔

انیس ناگی (۱۹۳۹ء۔۲۰۱۰ء) بیسویں صدی کے جدید تخلیق کاروں میں منفرد اور ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ ادب، تاریخ، ثقافت، لسانیات، نفسیات اور فلسفے کے عمیق مطالعے نے ان کے فن کو کثیر الجہات بنا دیا ہے

۔بالخصوص بیسویں صدی کے فلسفیانہ رجحانات اور عصری شعور کی جھلک ان کی شخصیت اور فن دونوں کا خاصا ہے۔بیسویں صدی جہاں تاریخی اور تہذیبی شکست و ریخت کے لیے معروف ہے۔وہاں سیاسی بھونچال اور جنگی معرکہ آرائیوں نے انسان کو جھنجھوڑ کر اپنا تشخص کرانے پر آمادہ بھی کیا ہے۔انیس ناگی نے جدید تحاریک،فلاسفہ اور عصری رجحانات کا وسیع مطالعہ کیا۔فرانس جدید تحریکوں کے گڑھ کی حیثیت رکھتا ہے۔انیس ناگی نے فرانسیسی زبان پر مہارت کی بنا پر اور طبعی رجحان کے مطابق فرانسیسی مفکرین،ادبا اور شعرا کا عمیق مطالعہ کیا۔ژاں پال سارتر (Jean Paul Sartre)(۱۹۰۵ء۔۱۹۸۰ء)،البرٹ کامیو(Albert Camus)(۱۹۱۳ء۔۱۹۶۰ء)،آرتھر راں بو(Arthur Rimbaud)(۱۸۵۴ء۔۱۸۹۱ء)،سینٹ جان پرس(Saint John Perse)(۱۸۸۷ء۔۱۹۷۵ء) اور کولن ولسن(Collin Wilson)(۱۹۳۱ء۔۲۰۱۳ء) کی تخلیقات ان کے زیرِ مطالعہ رہیں۔ان میں سے بیش تر کی تخلیقات کے انھوں نے تراجم بھی کیے۔جن جدید فلسفوں اور تحریکوں سے انیس ناگی متاثر ہوئے ان میں سے ایک تحریکِ حقوقِ نسواں یا تانیثیت (Feminism) بھی ہے جس کا اظہار ان کے فکر وفن میں کیا گیا ہے۔اس مقالے میں انیس ناگی کے افسانوی ادب کے تانیثی پہلوؤں کا تجزیہ کیا گیا ہے۔

انیس ناگی کے ہاں عورت کا کردار ہمارے مخصوص معاشرتی،تہذیبی اور مذہبی ماحول کے پس منظر میں ابھرا ہے جہاں اس کی شخصیت کی نفسیاتی اور سماجی تشکیل ہوئی ہے۔ناگی کے ہاں پدرسری معاشرے میں عورت کے استحصالی روپ،نسل در نسل غلامی اور جبر و تشدد کے ڈانڈے لاشعور میں پنہاں بچپن کے ان ناخوشگوار واقعات کا نتیجہ ہیں جوان کے باپ (محمد ابراہیم) اور سوتیلے بھائی نے ان کی ماں کے ساتھ روا رکھے۔ایک ادھوری سرگزشت (خود نوشت) میں انہوں نے اپنی ماں کے تعارف کے جو حوالے دیے ہیں ان کے مطابق انیس ناگی کی والدہ غریب گھرانے سے تعلق رکھنے والی ایک سیدھی سادی،ناخواندہ خاتون تھی۔ان کی ماں بچپن ہی میں فوت ہو چکی تھی۔ان کے والد نے دوسری بلکہ تیسری شادی بھی کر لی تھی۔لہٰذا شادی کے بعد انیس ناگی کی ماں کے لیے میکے کی طرف مراجعت ناممکن تھی۔اسے معلوم تھا کہ خاوند کی سرد مہری،درشتی اور بے اعتنائی کے باوجود اس قید سے رہائی ناممکن ہے۔ان کی والدہ کو جب محمد ابراہیم (انیس کے والد) کے عقد میں دیا گیا اس وقت محمد ابراہیم کی پہلی اور دوسری بیوی سے تین بچے پرورش کے لیے ان کے منتظر تھے۔اس سوتیلی اولاد نے انیس کی والدہ کے ساتھ ناروا سلوک رکھا بالخصوص بڑے بیٹے نے بہت ذہنی اذیت دی۔انیس ناگی کی والدہ اپنے خاوند سے عمر میں چودہ پندرہ سال چھوٹی تھیں۔انیس ناگی کے والد کے آباؤاجداد امرتسر کے پنڈت تھے ان میں سے ایک امرتسر سے باہر ایک مندر کا پروہت تھا جو شاہ اسماعیل کے ہاتھوں مسلمان ہوا۔محمد ابراہیم ان کی اولاد میں سے تھے۔وہ کٹر وہابی مسلک رکھتے تھے،عہدے کے مجسٹریٹ بھی تھے۔لہٰذا گھر کے ماحول میں شدت اور درشتی کا غلبہ رہتا جو اہل خاندان کے لیے مسلسل اعصابی کشیدگی کا باعث بنا رہتا۔ان کے خاندان کے مردوں کا یہ اعتقاد تھا کہ عورت صرف مرد کی خدمت اور تابعداری کے لیے ہوتی ہے۔انیس ناگی کی والدہ نے اس گھٹن زدہ ماحول میں ڈری سہمی خاموش زندگی گزاری۔۷

انیس ناگی اس وقت کے سماجی پس منظر میں اپنی والدہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ میری ماں نے ایسی جگہ شادی کرنا کیوں قبول کی جہاں اسے انصاف نہیں مل سکتا تھا۔شاید اس زمانے میں شادی کے معاملے میں عورت کی ہاں یا نہیں کی کوئی وقعت نہیں تھی، یہ ایک بھینس تھی جسے دھکیل کر گھر سے باہر نکالنا ضروری تھا۔(۸)

انیس ناگی کی والدہ کے ساتھ ان کے والد کے ناروا سلوک کا اثر لامحالہ طور پر ان کی شخصیت میں جاگزیں ہوا جس نے انہیں عورت کے حق میں بولنے پر آمادہ کیا۔اور یہی احساس تانیثی رجحان کی صورت میں ان کے فن میں بھی نمو پذیر ہوا۔

افسانہ ''پروین کی کہانی'' نچلے طبقے کی اٹھارہ سالہ پروین نامی لڑکی کی کہانی ہے جسے اس کی ماں ناہید نے، جو خود بھی لوگوں کے گھروں میں کام کرتی ہے، اپنے وحشی بھانجے کے پلے باندھ دیا، جو نشے کا عادی تھا اور اسے مارتا پیٹتا تھا۔پروین نے روز روز کی مار پیٹ سے تنگ آکر گاؤں چھوڑ دیا اور شہر میں لوگوں کے گھروں میں کام شروع کر دیا۔انیس ناگی نے اس افسانے کے تناظر میں نچلے طبقے کی عورتوں پر ہونے والے جبر اور زیادتی کو موثر انداز میں بیان کیا ہے۔افسانے کا آغاز ہی ،عورت کے انسان ہونے یا محض عورت ہونے کے سوال سے ہوتا ہے جو ہمارے معاشرے میں عورت کے مقام اور حیثیت پر طنز ہے۔لکھتے ہیں:

> عورت انسان نہیں بلکہ صرف 'عورت' ہے۔باندی، کوئی اور مخلوق، احساسات و جذبات سے عاری۔پروین ایک انسان ہے یا ایک وجود؟ عورت ہے یا ایک انسان؟ پروین کی کہانی شروع ہونے سے پہلے ہی مسائل شروع ہوگئے ہیں۔اگر وہ عورت ہے تو پھر اس کی کہانی کے سارے باب پہلے ہی لکھے جاچکے ہیں۔اس نے شادی کرنی ہے، خاوند سے مار کھانی ہے، ہر سال ایک بچہ پیدا کرنا ہے، چھ سات گھروں کا کام کرنا ہے، رات کو ایک کوارٹر کے ایک کمرے میں خاندان کے آٹھ نو افراد کے ساتھ ایک چادر بچھا کر سو جانا ہے اور منہ اندھیرے کچھ کھائے پیے بغیر کام پر نکل جانا ہے۔ اس کے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہے۔(۹)

جنوبی ایشیا کے پدرسری معاشرے میں ''عورت'' کی حیثیت اس کے چہرے مہرے، نقوش اور رنگت کی بنا پر متعین کی جاتی ہے۔افسانے میں مندرج تاریخی کردار رنجیت سنگھ، آلور اور ویٹورا کی کشمیری عورتوں پر مشتمل حرم گاہوں کا قیام عورت کو بطور ''شے'' استعمال کا ثبوت ہے۔جہاں یہ حسین عورتیں ان حاکموں کے لیے سامان تعیش تھیں اور بس!

اسی موضوع پر ایک اور افسانہ ''سفرنامہ'' ایک سولہ سترہ برس کی نوجوان لڑکی کے گھر سے بھاگنے کی کہانی ہے اس کے تین بھائی اس کے تعاقب میں تھے، وہ اسے قتل کرنے کے درپے تھے۔اس کے بھائی اسے بے اولاد بڈھے چوہدری کے پلے باندھنا چاہتے تھے۔کیونکہ ان کے باپ کی چار کلے زمین اس بڈھے کے پاس رہن

تھی۔ رہن کی زمین چھڑانے کے لیے وہ اپنی بہن کو بڈھے کے حوالے کر دینا چاہتے تھے۔ یہ بڈھا پہلے تین شادیاں کر چکا تھا۔ یہ لڑکی اپنی برادری کے رستم نامی نوجوان سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ اس آس پر وہ گھر سے بھاگی تھی کہ کسی طرح رستم کے گاؤں پہنچ جائے۔ یہ نوجوان لڑکی تھانے نہیں جانا چاہتی کیونکہ پولیس بھی اسی ہوس پرست معاشرے کا نمائندہ ہے، وہ اس کی حرمت کا محافظ کیسے ہوسکتا ہے؟ افسانے کے اختتامی جملے ہمارے ہاں کی عورت کی بے منزلی کی طرف اشارہ ہیں:

> ''مجھے یوں لگا ہے یہ کار نہیں ہے، ایک کشتی ہے جو نیلے آسمان کے نیچے سیاسی مائل دھرتی پر ایسے راستے پر چل رہی ہے جس کی کوئی منزل نہیں ہے۔۔۔'' (۱۰)

افسانہ''سفرنامہ'' کی کہانی پدرسری معاشرے میں عورت کے وجود کو مسخ کیے جانے کے خلاف احتجاج ہے۔ عورت کا گھر سے بھاگنا اور باپ بھائیوں کے فیصلے سے انکار، تانیثیت کا ریڈیکل پہلو ہے جو عورت کو اپنے حقوق کے لیے احتجاج پر آمادہ کرتا ہے۔

افسانہ''عورت کہانی'' بھی مرد کی بے حسی اور عورت کے بے بسی کی کہانی ہے۔ یہ ورکنگ کلاس سے تعلق رکھنے والی، تعلیم یافتہ کالج کی پرنسپل کی کہانی ہے جو بظاہر تعلیم، عہدے اور معاشرتی حیثیت کی بنا پر خود انحصار ہے لیکن عورت ہونے کے ناتے مرد کی خودغرض فطرت کے ہاتھوں پائمال۔ ''روبی'' نامی خاتون نیروبی جانے کے لیے محکمانہ اجازت نامہ لینے اس کے دفتر آتی ہے۔ روبی کے کردار میں ایک عورت کی دکھ بھری کہانی چھپی ہے جس نے چالیس سال تک اپنے محبوب کا انتظار کیا جبکہ اس کے محبوب نے نیروبی میں شادی کر رکھی تھی اور وہ صاحب اولاد بھی تھا۔ اسے اچانک چالیس سال بعد اپنی محبوبہ (روبی) سے کیے گئے وعدے کا خیال آیا۔ جس کی تکمیل کے لیے وہ اپنے خاندان سے چھپ کر دس دن کی چھٹی پر وطن واپس آیا اور ایک ہوٹل میں کمرہ لے کر روبی سے نکاح کر لیا۔ جس سے بعد میں روبی کے ایک بیٹا ہوا۔ قسمت کی ستم ظریفی دیکھیے کہ اس کا بیٹا بھی بی اے کرنے کے بعد نیروبی چلا گیا اور اس نے بھی اسی خاندان میں شادی رچالی جہاں اس کے باپ نے کی تھی۔ ''روبی'' کی زندگی ہر مرحلہ میں مرد کے ہاتھوں پامال ہوئی۔ پہلے محبوب کی صورت میں، پھر خاوند کے روپ میں اور آخر میں بیٹے کے ہاتھوں، چالیس برس محبوب کے انتظار میں گذرے جبکہ باقی ماندہ عمر بیٹے کی جدائی میں بتانی پڑی۔ کہانی کا لب لباب یہ ہے کہ پدرسری معاشرے میں عورت کا مقدر سیاہ ہی ہے۔ مرد سے ناتا خواہ محبوب کی صورت میں ہو، خاوند کے یا بیٹے کے روپ میں، ان کا مطمح نظر اپنی خواہشات کا حصول ہے۔ عورت ہر حیثیت میں ایک ''چیز'' ہے، صرف اور صرف استعمال کے لیے۔ افسانے کے یہ جملے قابل غور ہیں:

> میں اپنی این۔او۔سی کی درخواست واپس لینا چاہتی ہوں، اب اس کی ضرورت نہیں۔۔۔اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی موٹی سی لکیر تھی، ''مگر کیوں؟''۔۔۔۔وجہ تو نہیں بتا سکتی، وہ وہیں کا ہوگیا ہے، یہ قسمت کا چکر ہے یا واقعات کی تکرار، ''آپ تنہا رہ گئی ہیں؟'' اس نے وہاں شادی

کر لی ہے؟''جی''،''کہاں؟''،''جہاں اس کے باپ نے کی تھی'' (۱۱)

''تمثیل ا'' بھی عورت کے کرب، بغاوت اور ناسٹلجیا میں گندھا ہوا افسانہ ہے جسے انیس ناگی کے قلم نے جذبات کے رنگوں میں ڈبو کر تخلیق کیا ہے۔ یہ ایک فیشن ایبل، ورکنگ کلاس، بظاہر خود مختار عورت کی کہانی ہے جو والدین کی وفات اور بہن بھائیوں کی شادی کے بعد تنہا رہ گئی تھی۔ کچھ عرصہ مقامی بنک میں ملازمت کرنے کے بعد وہ بیرون ملک چلی گئی۔ جب اس کی شادی کی عمر ڈھلنے لگی تو اس نے ایک غریب لیکن محنتی لڑکے سے، جو اس سے عمر میں دس سال چھوٹا تھا، شادی کر لی۔ وہ لڑکا صبح یونیورسٹی میں پڑھتا تھا اور شام کو اس سٹور میں کام کرتا تھا جہاں وہ انچارج تھی۔ اس کی یہ شادی محض ایک سمجھوتہ تھا جہاں وہ ہر لمحہ عدم تحفظ کا احساس لیے پھرتی تھی کہ عمر مزید ڈھل جانے کے بعد اس کا نو عمر خاوند اسے چھوڑ جائے گا۔ یہ شادی بھی اس نے محض مردوں کی ہوس انگیز نظروں سے بچنے کے لیے تھی۔ وہ خوشی اور ناخوشی کے مابین معلق اپنا ازدواجی تعلق نبھانے پر مجبور تھی۔ یہاں افسانہ نگار کا موقف یہ ہے کہ عورت خواہ کتنی ہی خود مختار اور آزاد کیوں نہ ہو جائے، اندرونی عدم تحفظ کی اسیر ہی رہے گی۔ تیسری دنیا کی یہ عورت ، خواہ وہ اس کے لیے کتنی کوشش اور مشقت کیوں نہ کر لے، اسے معاشرے کے بہت سے درندہ صفت مردوں کے استحصال سے بچنے کے لیے کسی ایک مرد کا تسلط قبول کرنا ہی پڑتا ہے۔

انیس ناگی کے ہاں عورت دوہرے استحصال اور جبر کا شکار ہے۔ ایک اس کے گھر کا پدرسری ماحول، دوسرا خارجی معاشرتی رویے، عورت نیم انسانی نیم حیوانی مخلوق کی صورت میں جبر واذیت کی چکی میں پس رہی ہے۔ خواہ وہ گھریلو خاتون ہو یا ورکنگ وومن، تعلیم یافتہ ہو یا ان پڑھ۔ انیس ناگی نے تیسری دنیا بالخصوص پاکستانی معاشرے کے متوسط طبقے کی عورت کے مسائل کو موضوع قلم بنایا ہے جو جدید تانیثی لہروں میں سوشلسٹ اور ریڈیکل تانیثیت کے زیادہ قریب ہے۔

انیس ناگی عورت کی خود مختاری، تشخص، خود شعوری کے خواہاں ہیں۔ مرد وزن کے جنسی تعلقات سے ہٹ کر عورت کو بحیثیت ''انسان'' دیکھنے اور دکھانے کے متمنی ہیں۔ مرد کے عورت پر تصرف کے مروجہ نظریات کی کلی مخالفت کرتے ہوئے، اسے اپنے پاؤں پر کھڑا دیکھنا چاہتے ہیں۔ ناگی کے افسانوی ادب میں معاشرتی حالات و واقعات کے پس منظر میں عورت کے ساتھ روا رکھے جانے والے استحصال کے پسِ پشت اسباب ومحرکات پر بھرپور تنقید ملتی ہے۔

ناول 313۔ بریگیڈ کی ''معصومہ'' ایک الجھی ہوئی شخصیت کی مالک، خوفزدہ، مرد کے ہاتھوں پسی ہوئی مجبور اور مقہور عورت ہے۔ جو ایک مرد سے دھوکہ کھا لینے کے بعد مردم بیزار ہو جاتی ہے۔ متوسط طبقے کے ایک لالچی مرد سے بیاہنے کے بعد، اس کے مطالبات بڑھتے رہے، معصومہ نے اس کی خوشی کے لیے اخباروں کے دفتروں میں ملازمتیں کیں۔ اس کا شکی مزاج خاوند اسے دوسرے مردوں کے ساتھ تعلقات کے طعنے دیتا تھا۔ پھر اس نے لڑکا پیدا کرنے کا مطالبہ شروع کر دیا۔ معصومہ کا حمل خوف سے گر جاتا کہ اگر لڑکا پیدا نہ ہو پایا تو اس کے ساتھ

کیا سلوک کیا جائے گا۔ معصومہ کے یہ جملے عورت کے کرب کے غماز ہیں: ''مَیں عورت ہوں، آدھا انسان۔۔۔ میرا ہر چیز میں آدھا حصہ ہے اور مجھے مرد کی حاکمیت میں رہنے پر مجبور کیا گیا ہے۔'' ۱۲ معصومہ تیسری دنیا کے متوسط طبقے کی ان عورتوں کی نمائندہ ہے جو مرد کے تصرف میں آنے کے بعد اپنا تشخص اور وجودی شعور کھو دیتی ہیں۔ ایک نامعلوم سا خوف، ان کے گرد منڈلاتا رہتا ہے۔ غیر یقینی صورتحال میں رہنے پر مجبور یہ عورتیں، مرد کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی کی طرح ناچتی ہیں۔ جب ان میں سکت نہ رہے تو انہیں کنارے لگا دیا جاتا ہے اور نئی عورت کی تلاش شروع ہو جاتی ہے۔

ناول دیوار کے پیچھے میں پروفیسر کی بہن ''رضیہ'' شدید معاشرتی گھٹن کا شکار ہو کر نیوراتی ہو جاتی ہے۔ شادی نہ ہو پانے کی وجہ سے وہ مختلف نفسیاتی الجھنوں اور رواہموں کا شکار ہو کر معاشرتی عدم مطابقت کا شکار ہو جاتی ہے۔ اسے مرگی کے دورے پڑتے ہیں۔ وہ شیزو فرینیا جیسے نفسیاتی مرض میں مبتلا ہے۔ اپنی محرومیوں کا بدلہ چھوٹی بہن ''کوثر'' سے اس پر بدکرداری کا الزام لگا کر لیتی ہے۔ اس کی شادی میں رکاوٹیں کھڑی کرتی ہے۔ رضیہ کا نیوراتی کردار، گھٹے ہوئے معاشرے کا وہ زندہ کردار ہے جو جنسی ناآسودگی کا بوجھ اٹھائے، فرسودہ معاشرتی اقدار و روایات کی چکی میں پس رہی ہے۔ خاندانی شرافت اور نیک خلقی کے پردوں میں مقید یہ عورت، اپنی خواہشات کا اظہار کرنے سے قاصر ہے۔ یہ نفسیاتی الجھنیں، ذہنی اور جذباتی استحصال ہمارے معاشرے کا المیہ ہے۔ جہاں عورت کی خواہشات کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے۔

انیس ناگی کے ہاں جدید تانیثی رجحانات کے اثرات زیادہ ہیں۔ اس کے افسانوی ادب کا ہیرو ایسی رومان انگیز فضاؤں کا متمنی ہے جہاں مرد و زن کا آزاد اختلاط ممکن ہو، جہاں کوئی مذہبی پابندی، معاشرتی ضابطے مخل نہ ہوں، جہاں مرد اور عورت کا ایک دوسرے سے کوئی معاشی غرض یا کوئی حرص بھی نہ ہو، محض خواہش کے رشتے میں پیوست ہوں:

> مجھے کدھر جانا ہے؟ مجھے کس کی تلاش ہے؟ حوا کی بیٹی! ایک ایسی بیٹی جو دنیا کے سب سے قدیمی پیشے میں مصروف ہو۔ ایک دوسرے سے بالکل ناآشنا، ایک دوسرے کی حیثیتوں سے نابلد، نہ نفرت، نہ محبت، بس ایک ہی خواہش کے رشتے میں پیوست، وعدے اور معاوضے کے رشتے سے ماورا، ایک دوسرے کی طرف کھنچے چلے جائیں۔ (۱۳)

انیس ناگی کے افسانوی ادب میں عورت ایک رومان ہے، ایک خواب جس کی تکمیل حقیقی زندگی میں ممکن نہیں۔ ان کے افسانوی ادب کا ہیرو عورت کے وجود سے بغیر کسی حرص، معاہدے اور شرائط کے ہم آمیز ہونے کا متمنی ہے۔ یہ رومان پرور جملے عورت کے تخیلاتی روپ کے تمنائی ہیں:

> ابھی صرف رات کے آٹھ بجے ہیں اور مجھے اسی طرح جاگتے رہنا ہے، اس کے انتظار میں جو ابھی تک میرے ذہن میں سما نہیں سکی، جو میرے اضطراب کو زیر نہیں کر سکی، میں جس کی تلاش میں تمام

نسلوں کے شجرہ نسب تک گیا، میں آج کی رات اسے تصور کی قید میں لے آؤں گا۔ مجھے یقین ہے کہ میں نے تنہائی کو بسر کرنے کا طریقہ ایجاد کرلیا ہے۔ میں اس سے خائف نہیں ہوں، مجھے یقین ہے کہ اس کا روپ نسائی ہے۔ مجھے احساس ہے کہ اس کا بدن گداز ہے اور قوت سے معمور ہے، وہ مجھے اپنی تحویل میں لے لے گی۔لیکن صرف ایک عورت کی طرح، گرہستی کے کسی وعدے کے بغیر، مستقبل کی خواہش کے بغیر، پھر ہم دو بچوں کی طرح انسانی نظاموں کے روندتے ہوئے بے حسی کے شہروں کو پھلانگتے ہوئے ایسے خطے میں نکل جائیں گے جن کا خواب فلسفی دیکھتے ہیں۔ (۱۴)

ناگی کے ناولوں کے مرد کردار،عورت کے ساتھ کسی معاہدے اور شرط کے بغیر آزاد اختلاط کے خواہش مند نظر آتے ہیں۔ یہ مرد غالب معاشرے کے اجتماعی رویے کی عکاسی ہے۔ جہاں عورت کو محض تسکین کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ان کی ذات اور اس سے وابستہ خواہشات کو معاشرہ قبول کرنے پر آمادہ نہیں۔شادی جیسے بندھن میں بندھ جانے کے بعد مرد کو بادلِ نخواستہ گرہستی کا بوجھ اٹھانا پڑتا ہے جو اسے گوارا نہیں۔مرد و زن کے آزاد اختلاط اور تعلق کی بات افسانوی حقیقت کی حد تک تو مانی جا سکتی ہے لیکن حقیقی زندگی میں ایسا ممکن نہیں۔ ہر معاشرہ کسی نہ کسی ضابطے اور قاعدے کا پابند ضرور ہوتا ہے۔ معاشرے میں ایسی آزادروی، بگاڑ اور انتشار کا باعث بنتی ہے۔اگر یوں ہو جائے جیسے انیس ناگی کا ہیرو خواہش رکھتا ہے تو معاشرے کی تشکیل کا کوئی جواز باقی نہ رہے۔اس کا شیرازہ بکھر جائے،کوئی اخلاقی حدود و قیود نہ ہوں اور سب کو بے مہار آزادی مل جائے۔عورت اگر اپنی بقا اور تحفظ کے لیے کوئی قاعدہ یا ضابطہ متعین کرتی ہے تو وہ اس کا حق ہے۔مرد و زن کا آزاد اختلاط ادب کی تخیلاتی جہت تو ہو سکتی ہے لیکن منضبط اور منظّم معاشرے کا نظامِ اخلاقیات عملاً اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔تیسری دنیا کے معاشروں میں عورت عدم تحفظ کا شکار ہے۔ وہ شادی اور بعد میں اولاد کو اپنے تحفظ اور بقا کے ہتھیار کے طور پر استعمال کرتی ہے ۔مستقبل کے وعدوں اور معاہدوں کے بغیر خود سپردگی اس کے لیے عذاب بن جاتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں مرد کا استحصالی اور متشددانہ رویہ خواہ جنسی اعتبار سے ہو یا دیگر معاشرتی رویوں کے حوالے سے،عورت کے تشخص اور وقار کے لیے ناقابل قبول ہوتا ہے۔جبلی کمزوری کی بنا پر وہ مرد کے بہیمانہ سلوک کی مرتکب ہوتی ہے۔وہ ہر معاشرتی حیثیت میں مظلوم رعایا کی مانند مرد کی حاکمیت تلے زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔اپنے وجود کے جہنم سے ناآشنا،نیم انسانی سطح پر زندگی تج دیتی ہے۔مرد کے اس غاصبانہ رویوں کے ردعمل میں عورت میں ملکیت کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے، وہ خود کو مرد کے تصرف میں اس وقت دیتی ہے جب وہ کسی معاہدے (عموماً شادی) کے تحت تمام حقوق اپنے نام محفوظ کر لیتی ہے۔ ناول میں اور وہ میں الجزائر میں مقیم،ضمیر واحد متکلم ’’میں‘‘ (مرکزی کردار) سے ’’رشیدہ‘‘ (ناول کا کردار) کی دل چسپی ،شادی کی طرف بلا واتھا۔ کیونکہ رشیدہ آزاد تعلق کے حق میں نہ تھی:

۔۔۔رومانٹک مت بنو،تم ابھی جوان ہو،لیکن تم نے ابھی تک شادی کیوں نہیں کی؟ رشیدہ نے ایک دم براہِ راست سوال کیا ہے،ذہن ایک لمحے کے لیے سکتے میں آ گیا ہے۔ میں، بولنا نہیں

چاہتا کیونکہ سچ بولتے ہی اس کی دلچسپی کم ہو جائے گی، وہ سمجھے گی کہ میں صرف اسے استعمال کرنا چاہتا ہوں۔۔۔(۱۵)

ناگی کے ہاں نفسیاتی کرب، خوف، عدم تحفظ، معاشرتی اور معاشی کٹھن چکروں میں گھری عورت کے کردار ملتے ہیں جو اپنے وجود کی معنویت سمجھتے ہوئے بھی معاشرے کے اس گھناؤنے کھیل کا حصہ ہے جسے مردوں نے اس کی بقا کے لیے ناگزیر ٹھہرایا ہے۔

الجزائر میں ضمیر واحد متکلم ''مَیں'' کی حرافہ سے ملاقات اور اس کی دکھ بھری کہانی میں عورت کا وجودی کرب پنہاں ہے جو ماں باپ کی وفات کے بعد پھوپھی کے پاس رہتی تھی۔ وہاں سے ایک افسر کے ہتھے چڑھی، اس کی عزت تار تار ہوئی اور پھر اسے قحبہ خانہ بھیج دیا گیا۔ عورت کے نسائی روپ کے استحصال اور اس داخلی کرب کا مفہوم ان جملوں میں پنہاں ہے جو اس حرافہ نے ''مَیں'' کے ساتھ بولے۔ جب ''مَیں'' نے اسے گناہ آلود زندگی ترک کرنے اور اپنے ساتھ چلنے کو کہا:

> یہاں سے جو عورت نکل جاتی ہے وہ اسے پھر پکڑ لیتے ہیں، اس کا سر منڈھ کر صحرا کے وسط میں چھوڑ دیتے ہیں۔نہیں یہ ظلم ہے۔ہم یہاں نہ اپنی مرضی سے آتی ہیں اور نہ جا سکتی ہیں۔۔۔اس نے بڑھ کر میرا ماتھا چوما ہے۔اور پچھلا دروازہ کھول دیا ہے۔شکریہ تمہاری وجہ سے میں کچھ آرام کر سکی ہوں وگرنہ۔۔۔تم ساتھ نہیں چلو گی؟ نہیں مجھے اس دروازے سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے۔(۱۶)

ناول میں اور وہمیں الجزائر کے حوالے سے انیس ناگی نے بین الاقوامی تناظر میں عورت کے وجودی بحران اور عدم شناخت کے رویوں کی عکاسی کی ہے۔آزاد اختلاطی معاشروں میں بھی عورت مکمل آزادی اور جبلی خواہش کے تحت مرد کے ساتھ سپردگی نہیں رکھتی بلکہ حالات کا جبر ہوتا ہے جو اسے اس عمل پر مجبور کر دیتا ہے۔ ''طوائف'' بننا خود فیصلگی کا نہیں بلکہ مجبوری کا نتیجہ ہے۔جنسی زور زبردستی اور استحصال کے خلاف ناگی بغاوت کا علم بلند کرتے ہیں۔عورت کو بطور ''شے'' یا ''سامان'' برتنے کے حق میں نہیں ہیں بلکہ عورت کو مکمل وجودی تشخص اور وقار دینے کے حامی ہیں۔

انیس ناگی کے ہاں تانیثیت کا رجحان زیادہ شدت کے ساتھ ملتا ہے۔ان کے افسانوی ادب کی عورت اپنے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کے خلاف ڈٹ جانے کا حوصلہ رکھتی ہے۔افسانہ ''تمثیل ۲'' میں ورکنگ کلاس سے تعلق رکھنے والی عورت کی کہانی بھی ہمارے معاشرے کی ہزاروں عورتوں کی کہانی ہے۔فلسفہ کی لیکچرار، جو خاوند کے ساتھ نباہ نہ ہو پانے کی وجہ سے ہاسٹل میں مقیم رہی، عورت کے کرب، جبر اور بغاوت کا ملا جلا رجحان لیے ہوئے ہے۔ یہ احتجاج اور انحراف کی کہانی ہے جہاں عورت، مرد کے ساتھ اس کی شرائط پر نباہ کرنے سے انکار کی بنا پر علیحدہ ہوئی۔ یہ جملے ملاحظہ کیجیے:

اس نے مجھے اپنی عادات میں ڈھالنا چاہا، میں نے کہا: میرا ''وجود الگ ہے''۔ ''تو پھر ہمیشہ کے لیے تم الگ کیوں نہیں رہتیں؟'' ''تمہاری مرضی''۔ اور پھر میں اس ہاسٹل میں آ گئی۔ وہ مجھ سے بور ہو چکا تھا اور میں اس سے تھک چکی تھی، زندگی کو ناپسندیدگی میں بسر نہیں کیا جا سکتا۔۔۔(۱۷)

لیکن یہی عورت جب کالونی میں اپنا نیا گھر بنواتی ہے اور اس میں اپنی ملازمہ کے ساتھ رہتی ہے تو اس کے اندر کی عورت پھر سے جاگ جاتی ہے جو مرد کے مقابلے میں انفعالی کردار کی حامل رہنے میں سرشاری محسوس کرتی ہے۔ اس کے دفتر کے ایک نو بیاہتا نوجوان کے لیے اس کے دل میں نرم گوشہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ ذہنی الجھاؤ کا شکار ہو جاتی ہے بے خوابی اور بے سکونی میں جب وہ کار چلاتی ہوئی گھر سے باہر نکلتی ہے تو اسی نوجوان سے اس کی ملاقات ہو جاتی ہے جو اس کے ساتھ خوشی خوشی اس کے گھر آ جاتا ہے۔ اس افسانے میں تانیثی پہلو کو ایک اور انداز میں دکھایا گیا ہے کہ عورت محض ایک چیز نہیں بلکہ جیتا جاگتا، احساسات و جذبات سے لبریز انسان ہے۔ وہ بھی اپنی مرضی سے زندگی گزارنا چاہتی ہے ، آزاد رہنا چاہتی ہے، اسے بھی مرد کے مساوی حقوق حاصل ہونے چاہییں ، بلا جبر و اکراہ۔

ناول زوال میں رشیدہ کا کردار ہمارے معاشرے کی ازدواجی ناآسودگی کا نمونہ ہے۔ خوبرو بیوروکریٹ کے خواب دیکھنے والی رشیدہ، احسن کی بیوی بن گئی کیونکہ شمشاد علی (باپ) کی وفات کے بعد، اسے کسی اور مرد (خاوند) کے تصرف میں دیا جانا لازمی تھا کہ ہمارے ہاں عورت کے تحفظ کا ضامن مرد ہوتا ہے۔ ''رشیدہ'' کے ''راشدہ'' (اس کی دوست) کے ساتھ یہ مکالمے، عورت کی بے بسی، بے اختیاری اور مرد کے متشدد اور جارح رویوں کے غماز بھی ہیں اور عورتوں کے ریڈیکل تانیثی رجحان کا نمونہ بھی:

یار یہ ماں باپ اور بھائی لڑکیوں سے تنگ کیوں آ جاتے ہیں؟ ہر ایک کو یہی جلدی ہوتی ہے کہ انہیں گھر سے نکالو، ہر ایک عورت کو اولاد جننے والا مویشی تصور کرتا ہے۔ شادی تو ایک مرتبہ کی جاتی ہے۔۔۔ڈارلنگ رشیدہ! کتابوں کی دنیا اور انسانوں کی دنیا میں بہت فرق ہے۔ عورت اپنے تحفظ کے لئے محتاج ہے اور یہی اس کی سب سے بڑی بدقسمتی ہے۔۔۔تم ٹھیک کہتی ہو، عورت کا جسم اس کا دشمن ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ عورت کے بے بسی کی زندگی بسر کرنی چاہیے، خاوند تمہیں نہ بھی پسند ہو، اس کی اطاعت کرنی چاہیے، اگر وہ بدصورت ہو تو اسے خوب صورت سمجھنا چاہیے۔ اگر اس کا منیریزم دیہاتیوں ایسا ہو تو اسے نہایت شائستگی سے قبول کرنا چاہیے۔۔۔مائی فٹ! یہ ہندوالوں کے پیچھے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ شوہر عورت کے لئے دیوتا ہے، اور عورت کو شوہر کے ساتھ بھسم ہو جانا چاہیے۔(۱۸)

یہاں انیس ناگی کا نقطہ نظر ریڈیکل تانیثیت کا نمائندہ ہے۔ جہاں عورت پدری نظام کے خلاف بغاوت پر اتر آتی ہے۔ وہ اس نظام میں اپنی پست حالت (Oppressed Condition) کو قبول نہیں کرتی بلکہ مردانہ

اقتدار اور جبر و تحکم کے خلاف نفرت انگیز اشتعال پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ یہ ریڈیکل رجحانات ناول پتلیاں میں انجم ،راحت اور نرگس نامی نسوانی کرداروں میں بھی ملتے ہیں جو مرد کے استحصالی رویوں سے تنگ آ کر علیحدگی کو ترجیح دیتی ہیں۔ انجم (ایک نسوانی کردار) کے یہ مکالمے مرد سے نفرت اور بغاوت کے غماز ہیں:

چھوڑ و یار، جو ہونا تھا وہ ہو گیا، ہم لوگوں کی اپنی خاوندوں سے نہیں بنی، اس میں کس کا قصور ہے؟ زندگی اسی کا نام ہے، کیا ہم خاندوں کے ہاتھوں عمر بھر ذلیل ہوتے رہیں، یہ کہاں لکھا ہے کہ ایک عورت نے ایک مرد کے ساتھ موت تک زندہ رہنا ہے، اگر علیحدگی ہوگئی ہے تو اس کا مطلب ہے ہم اپنی خواہشوں کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند کر دیں۔۔۔(۱۹)

عورت کی بے بسی اور بغاوت کے ملے جلے رویے ایک اور کردار (راحت) کی زبانی ملاحظہ کیجیے:

ہر مرد آنے بہانے عورت کے بدن تک جلدی یا بدیر پہنچنا چاہتا ہے، اگر عورت سب کچھ دے دے تو پھر اس کے پاس کیا رہ جاتا ہے، اس لئے خاوند ہمیشہ بیویوں کو ذلیل کرتے ہیں، مارتے پیٹتے ہیں، من مانی کرتے ہیں، عزت نہیں کرتے، چھوڑ و یار، لوگوں کے منہ میں خاک، ہر ایک نے اپنی زندگی بسر کرنی ہے، لیکن ہم لوگ جو علیحدگی میں رہ رہی ہیں، امید اور رشتوں کے بغیر زندہ ہیں، ہمیں اچھوت سمجھا جاتا ہے، ہمیں بدکار کہا جاتا ہے، اس کے باوجود ہم ان مردوں کی اولاد کے مستقبل کا خواب دیکھ رہی ہیں، لیکن اولاد کا کیا بھروسہ ہے، جب وہ بالغ ہو جائے گی تو ہمارے خاوند انہیں لے جائیں گے۔ دکھ سہے بی فاختہ۔۔۔(۲۰)

''راحت'' میاں سے طلاق لینے کے بعد دو بچیوں اور ضعیف ماں کے ساتھ ایک چھوٹے سے فلیٹ میں رہتی تھی۔ اس نے نفرت اور انتقام کی بنا پر مرد سے مقابلہ کیا تھا۔ جس کا نتیجہ تنہائی بھری زندگی کی صورت میں اس کے سامنے تھا۔ وہ جس معاشرے کا باشندہ تھی وہاں عورت کا آزادانہ زندگی گزارنا، بسلسلہ روزگار گھر سے نکلنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ عورت کی یہ غلامانہ حیثیت اسے قبول نہ تھی لہذا اس نے مرد کی استحصال پسند فطرت کے خلاف ہتھیار اٹھا لیے۔

انیس ناگی میاں بیوی کے ازدواجی تعلقات کے حوالے سے عورت کے حامی نظر آتے ہیں۔ مرد کی جارحانہ اور سریع الزوال محبت کا ڈھونگ محض جنسی تسکین کے لیے ہوتا ہے۔ ہمارے معاشرے کا مرد عورت کو ''کموڈٹی'' سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتا۔ اس حوالے سے ناگی کا یہ استدلال ملاحظہ کیجیے:

پاکستانی عورت کلچرل، معلوماتی، تعلیمی اور تجربے کی سطح پر اتنی نابلد ہے کہ وہ شوہر کو نہیں جیت سکتی۔ وہ مرد کے اکھڑ پن ایگریشن کو اس کی ناراضگی سمجھتی ہے۔۔۔ عورت اور مرد کا بنیادی تعلق جنس کا ہے۔ اگر یہ محض انسانی تعلق ہے تو پھر مرد اس کو بیاہ کر گھر کیوں لائے گا، اس کے اخراجات کیوں برداشت کرے گا۔ اسے اپنی بقا کے لئے اولاد بھی پیدا کرنا ہے، اس لئے عورت اس کی دنیوی

ضرورت ہے جس میں کم سے کم جذباتی وابستگی ہوتی ہے۔۔۔(۲۱)

انیس ناگی اپنے معاشرے کی خواتین میں جدید اقدار کی روشناسی سے خوش ہیں کیونکہ قدامت جب تکرار بن جائے تو اس سے خلاصی پانا دانش مندی ہے۔جدید تعلیم اور طرز معاشرت نے خواتین میں خود شعوری، خود اعتمادی اور خود انحصاری جیسی صفات پیدا کی ہیں۔اب عورت حجاب میں لجانے شرمانے کی بجائے مرد کے شانہ بشانہ زندگی کے تمام شعبوں میں اپنے آپ کو منوا رہی ہے۔اس نے اپنے حقوق کے تحفظ کا ڈھنگ سیکھ لیا ہے۔ناولسکر یپ ہلکے مرکزی کردار کی زبانی یہ جملے انیس ناگی کے جدید تانیثی رویوں کے غماز ہیں:

۔۔۔یہاں کی عورت کو بھی قدامت کے غار سے نکل کر اکیسویں صدی کے ہم رکاب ہونا چاہیے۔ تاہم یہ عمل شروع ہو چکا ہے،عورتوں کی آبادی کا تناسب مردوں سے بہت زیادہ ہو چکا ہے، ہر طرف عورتیں ہی عورتیں،جنہوں نے دفتروں اور کاروباری مراکز میں مردوں کی جگہ لینی شروع کی ہے، دیہاتوں سے، چھوٹے شہروں سے عورتوں کا سیلاب تلاش معاش میں شہروں میں امڈ آیا ہے،عورتوں کا عورت ہونے کا حجاب ختم ہوتا جا رہا ہے، قدامت پرست مذہبی لوگ بھی پریشان ہیں،ان کی خواتین بھی اب باہر نکل آئی ہیں،انہیں روکنا ممکن نہیں ہے۔ (۲۲)

اگرچہ انیس ناگی نے معاشی ضروریات کو خواتین کی آزادی اور خود مختاری کی وجہ قرار دیا ہے۔لیکن یہ حقیقت ہے کہ نو آبادیاتی نظام حکومت کے دوران ہند کی تہذیب پر مغربی تہذیب کے اثرات نہایت تیزی سے پڑے ہیں۔عورتوں میں خود آگاہی اور اعتماد کے مثبت رویے، جدید تعلیم کے زیر اثر ہیں۔تیسری دنیا کے ایشیائی مما لک میں تانیثیت کی تحریک تیزی سے نمو پذیر ہو رہی ہے۔اس کی کلیدی وجہ ہندوستانی تہذیب وثقافت میں عورت کے ساتھ افراط وتفریط پر مبنی رویے کے خلاف ردعمل ہے۔ہندوستانی تاریخ گواہ ہے کہ یہاں عورت کو نارمل انسان کی حیثیت کبھی نہ دی گئی۔اسے یا تو فرشتہ قرار دیا گیا یا ڈائن اور مرد مار۔لیکن آج کے دور کی خواتین،تعلیم کی بدولت نہ صرف اپنا آپ، بطور انسان منوانے میں کامیاب ہو چکی ہیں بلکہ مردوں کے شانہ بشانہ چلنے اور اپنے حقوق کا تحفظ کرنے کا ہنر بھی جاننے لگی ہیں۔ناول کیمپمیں دلاری کا کردار جدید تانیثی رجحان کا حامل ہے۔جب دلاری کی شادی، رشید نامی بد ہیئت شخص سے ہوئی تو اس نے یہ رشتہ نبھانے سے انکار کر دیا۔رشید، دلاری کو پہلے دن سے سخت ناپسند تھا۔گہرے سانولے رنگ کا نحیف ونزار ''رشید'' جو دلاری سے دس برس بڑا تھا، دلاری رشید سے اولاد پیدا کر کے تمام عمر اس رشتے کا طوق پہننا نہیں چاہتی تھی۔کیونکہ اولاد جیسے بندھن میں بندھ کر وہ ساری عمر رشید کے ساتھ رشتے میں مقید ہو جاتی۔طلاق کی دھمکی اور ڈراوے بھی دلاری کے لیے بے اثر ثابت ہوئے۔دلاری کی ماں کے یہ جملے ہمارے معاشرے میں عورت اور مرد کے باہمی رشتے کی بے اعتدالی پر دال ہیں۔''بے وقوف! یہ مردوں کی دنیا ہے جس میں عورت کی کوئی مرضی نہیں ہوتی،اسے وہی کچھ کرنا پڑتا ہے جو اس کا خاوند چاہتا ہے۔''۲۳

نمک کی کان میں کام کرنے والے رشید کا انتقال ہو گیا۔یوں دلاری کی جان خلاصی ہوئی اور وہ تصوراتی

دنیا میں حسین اور خوبرو محبوب کے سپنے دیکھنے لگی جو اس کا پرستار ہوگا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ ایسا ممکن نہیں کیونکہ دلاری جس طبقے سے تعلق رکھتی تھی، وہاں ان خوابوں کی تعبیر نہیں ہوا کرتی، لیکن خواب دیکھنے پر کوئی پابندی تو نہ تھی۔ وہ شادی کو اپنے خوابوں کی تعبیر کا واحد وسیلہ سمجھتی تھی لیکن جب اس کی شادی رشید کے ساتھ ہوئی تو اس کے سارے خواب چکنا چور ہو گئے۔ مجبوراً دلاری کو اپنے گرد ضبط کے حصار کھینچنے پڑے۔ دلاری کا یہ گھٹا اور دبا ہوا لہجہ جدید تانیثی رجحانات کا غماز ہے جہاں عورت کے جذبات و احساسات کی کوئی قدر نہیں کی جاتی۔ اس کے جسم اور روح کے تمام زاویے، مرد کے اشاروں کے محتاج ہوتے ہیں۔ معاشرہ، مذہب، رسوم اور خود اس کا شخصی شعور اس کے گرد حصار کھینچتا چلا گیا:

> اسے پیہم یہی احساس رہتا کہ وہ ایک حصار میں بند ہے جس کے گرد تین دیواریں ہیں۔ ایک دیوار خدا نے بنائی ہے۔ یہ دیوار عورت کا وجود ہے جس سے اس کی نصف آزادی سلب کر لی تھی، دوسرا حصار ایک پس ماندہ معاشرے نے اس کے گرد بنایا تھا جس کے نتیجے کے طور پر اس کی شادی خوشاب میں نمک کے کان میں کام کرنے والے ایک دبلے پتلے اور لمبے دانتوں والے الیکٹریشن سے اس کی ماں نے اس لالچ میں کر دی تھی کہ اس کے میانوالی میں دو مکان تھے۔ تیسرا حصار اس نے اپنے گرد تعمیر کر لیا تھا کہ وہ خارجی دنیا سے محفوظ رہے اور وہ حصار تنہائی اور علیحدگی کا تھا جسے اس کے علاوہ کوئی اور نہیں توڑ سکتا تھا۔ (۲۴)

یہی وہ حصار ہیں جنہیں تانیثی تحریک کے علمبردار توڑنے کی کوشش کرتے رہے ہیں تاکہ عورت کا وجودی تشخص اور وقار برقرار رہ سکے۔ وہ معاشی پس ماندگی میں گھرے معاشرے میں بطور وسیلہ (Resource) استعمال نہ ہو بلکہ اس کے اندرون میں جھانک کر اس کے نہاں خانوں میں مستور خواہشات اور امنگوں کا احترام کیا جائے کہ وہ بھی تو انسان ہے اور مرد کی طرح تمام خواہشات اور تمناؤں کے ساتھ زندہ رہنے کا حق رکھتی ہے۔ دلاری کے اپنے گرد کھینچے ہوئے حصار، ایک طرز کی بغاوت ہے۔ وہ کسی ایرے غیرے کو یہ حصار توڑ کر اندر آنے کی اجازت کبھی نہیں دے گی۔

ناول صاحباں میں صاحباں (پروین کی ماں) کے کردار میں معاشی پس ماندگی کے ہاتھوں، بے پناہ مشقت دکھائی گئی ہے۔ اس کردار کے باغیانہ اور ریڈیکل رجحانات بالکل واضح نظر آتے ہیں۔ وہ نکمے اور لاپرواخاوند ''امین جگلو'' کو در خور اعتنا نہیں سمجھتی۔ اسے اپنے بھائیوں سے ڈراتی، دھمکاتی اور پٹواتی ہے۔

صاحباں کا خاوند بھی دار ونشہ کرنے والا، لفنگا کردار ہے جو اسے دو سالوں میں دو بچوں کا تحفہ دے گیا جبکہ کفالت کا بوجھ نہ اٹھایا۔ صاحباں کے کردار میں بھی ریڈیکل تانیثی رجحان ملتا ہے۔ صاحبان کا یہ رویہ امین جگلو کی غیر ذمہ دارانہ حرکات کے ردعمل کا نتیجہ ہے۔ اس کردار کا لب لباب یہ ہے کہ عورت جب خود انحصاری کی منزل طے کر لیتی ہے تو وہ مرد سے انتقام لینے کے گُر بھی جان لیتی ہے۔ امین جگلو (صاحباں کا خاوند) کے یہ جملے ملاحظہ کیجیے

جو عورت کے ریڈیکل تانیثی رجحانات کے غماز ہیں:

> ڈاکٹر صاحب! میرے بدن میں رت تھا۔ میرے پیچھے رہتی تھی۔ یوں بھی اب اس کے شریر کا سودا ختم ہو گیا ہے۔ جھک تو نہیں مارنی۔ پہلے تو بڑی سیدھی سادی عورت تھی۔ میرا ہر حکم مانتی تھی۔ اب بات بات پر آنکھیں دکھاتی ہے۔(۲۵)

ناول صاحباں میں موجود تانیثی رویے، معاشی عدم آسودگی میں گوندھ کر پیش کیے گئے ہیں۔ ''صاحباں''، ''پروین'' اور ''کاکی'' جیسے کردار معاشی دباؤ کے تحت، گھروں میں شوہر کے مظالم سہتی ہیں جبکہ دوسروں کے گھروں میں کام کے دوران مالک مکان کی جھڑکیاں اور کوسنے برداشت کرتی ہیں۔ یہ کردار کہیں کہیں رد اور انکار کا لہجہ بھی اختیار کر لیتے ہیں جو مرد کی غیر ذمہ دارانہ اور استحصالی رویوں کے خلاف ردعمل ہوتا ہے۔

ناراض عورتیں ناگی کا وہ ناول ہے جو ریڈیکل تانیثی رجحانات سے بھرپور ہے۔ اس ناول کا محرک بھی یہی ہے کہ کس طرح معاشرے سے ناراض عورتیں اپنے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہوتی ہیں۔ ناول کا آغاز ایک فلم سکرپٹ سے ہوتا ہے جس میں کالج، بازار اور عدالت میں گھومتی پھرتی عورتوں کی کہانیاں، لہجے کا اتار چڑھاؤ اور نفسیاتی پیچ و خم کی محاکات نگاری کی گئی ہیں۔ ناول میں موجود ہر عورت ایک کہانی ہے جس میں معاشرے کے ساتھ ٹکراؤ سے رنگ بھرا جاتا ہے اور عورت کے اندر کا کہرام باہر نکل کر مرد سمیت پورے معاشرے کی غارت گری کا باعث بنتا ہے۔ بغاوت، انحراف اور پدرسری معاشرے کے خلاف انکار کے یہ رویے ناراض عورتیں کا اہم موضوع ہے۔ یہ عورتیں حقوق کی پامالی، عدم تحفظ اور مرد کے ناانصاف رویوں کی بنا پر معاشرے سے ناراض ہیں:

> یہ عورتیں ناراض نہیں ہیں۔ یہ وہ ہیں جنہوں نے زندگی سے سمجھوتہ کر لیا ہے۔ سمجھوتہ مصلحت ہوتی ہے یا وقت بسر کرنے کا ایک حیلہ، اسے اصل زندگی تو نہیں کہا جا سکتا۔(۲۶)
>
> یہاں انیس ناگی کا موقف یہ ہے کہ معاشرے سے ناراض عورتیں وہ ہیں جو اس کی مسلمہ اقدار اور عورت دشمن رویوں کے خلاف بغاوت کا علم بلند کر کے باہر نکلتی ہیں۔ ان میں سے کچھ وکیل ہیں اور کچھ موکل، کچھ دیگر جائز اور ناجائز پیشوں سے منسلک ہیں۔ کچھ مطلقہ ہیں اور کچھ خلع یافتہ: ''یہ سب ناراض عورتیں ہیں جو انتقام لینے باہر نکلی ہوئی ہیں۔''(۲۷)
>
> طلاق اور خلع دراصل مرد اور عورت کے مشترک تعلقات کے مابین انقطاع کا عمل ہے۔ یہ وہ قانونی فیصلے ہیں جن پر عمل درآمد کے بعد عورت، مرد ایک دوسرے کے لیے اجنبی اور غیر ہو جاتے ہیں۔ یہ امر باعث توجہ ہے کہ آج کے دور میں عورت خود شعوری کی منازل طے کرنے کے بعد جذباتی ہم آہنگی نہ ہونے کی صورت میں مرد کی کھونٹی کے ساتھ عمر بھر بندھا رہنے کی بجائے علیحدگی کو ترجیح دیتی ہے۔ جدید تانیثی تحریکوں کی بدولت عورت میں خود اعتمادی پیدا ہوئی ہے کہ وہ اپنی

زندگی کا فیصلہ خود کر سکے۔ جہاں شادی کا بندھن نباہنا ممکن نہ رہے وہاں زندگی گھلا دینے کی بجائے خلاصی بہتر ہے۔ تا کہ مرد اور عورت دونوں اپنی زندگی کے بہتر انتخاب کا حق محفوظ رکھ سکیں۔ بقول انیس ناگی: ''طلاق کی بجائے خلع کے تناسب میں غیر معمولی اضافہ پاکستانی عورت کا مرد کی حاکمیت کے خلاف ایک طرح کا اعلان جنگ ہے۔''(۲۸)

تاہم انیس ناگی مرد اور عورت کے مابین نارضامندی کے رشتے کے حق میں نہیں کیونکہ یہ ایک طرح کی معاشرتی ہلاکت ہے۔ دونوں فریقوں کو افہام و تفہیم کا انداز اپنانا چاہیے تا کہ معاشرہ بحرانی کیفیت سے بچا رہے۔

انیس ناگی ملازمت پیشہ کے مسائل کا ادراک رکھتے ہیں۔ اقتصادی خود کفالت اسے کس طرح دوہرے عذاب میں ڈال دیتی ہے، ناگی کو اس کا بھی بخوبی اندازہ ہے کہ اسے گھرہستی تو ہر صورت کرنا پڑتی ہے۔ یوں عورت تلخیوں اور ناراضگیوں کی اسیر ہوکر ہر رشتے کے لیے موردِ طعن بن جاتی ہے۔ وہ گھر اور ملازمت کے درمیان دو پاٹوں میں پستی چلی جاتی ہے اور اس کی تھکاوٹ کو محسوس کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ انیس ناگی، مضمون ''پاکستانی عورت کی صورتحال'' میں لکھتے ہیں:

عورت کو جو بات روایتی نسائیت چھوڑنے پر مجبور کر رہی ہے۔ وہ اس کی اقتصادی آزادی ہے۔ یہ درست ہے کہ عورت کی اقتصادی آزادی سے اس کا مرد پر انحصار کم ہوجاتا ہے۔ وہ اپنے کنبے کے لیے محنت کرتی ہے کہ زندگی کی بنیادی ضرورتوں کو پورا کیا جا سکے اور مرد کی سختیوں سے نجات حاصل کر سکے۔ یہ تصویر کا ایک رخ ہے۔ عورت کو گرہستی بھی سنبھالنی ہے، سارا دن دفتر کا کام کاج، پھر ہانڈی روٹی، اگر چھ سات بچے ہیں تو ان کی نگہداشت پھر خاوند کے ہر طرح کے تقاضے پورے کرنے، یہ ورکنگ وومن کی روٹین ہے جو اسے ذاتی زندگی سے محروم کر کے مشین کا ایک پرزہ بنا دیتی ہے۔ یہ صورتحال پڑھے لکھے طبقے کی ہے۔ نچلے طبقے کی عورتیں جو جسمانی مشقت کے ذریعے اپنی معیشت کماتی ہیں۔ ان کی زندگی بھی متوسط طبقے سے مختلف نہیں ہے۔ یہ صورت حال زندہ رہنے کا موقع تو ضرور دیتی ہے لیکن زندگی میں ناراضگی اور تلخی کو جنم دیتی ہے۔ جب یہ صورت حال زیادہ گھمبیر ہوجائے تو مزاجوں میں تلخی آنے لگتی ہے۔(۲۹)

ملازمت پیشہ عورت کی خود اعتمادی، خود اختیاری، خود انحصاری، مردوں کی جبریت اور غلبہ پسندی کے خلاف مزاحمت اور بغاوت کا ملا جلا رجحان، درج بالا اقتباس کے بین السطور ملتا ہے۔ اگرچہ زندگی بھر کے زن بیزار رویوں نے ناگی کو کھل کر عورت کے حق میں بولنے سے باز رکھا لیکن یہ حقیقت ہے کہ انہیں اس مجہول و مقہور صنف کے مسائل اور مشکلات کا بخوبی ادراک تھا۔ ان کے افسانوی ادب میں کہیں واضح طور پر تو کہیں طنز کے پیرائے میں عورت کی خستہ حالی، بے بسی اور بے اختیاری کو ابھارنے کی کوشش ملتی ہے۔ ان کے افسانوی ادب کی عورت آزاد ہے اور یہ آزادی اس نے بزور بازو چھینی ہے کیونکہ پدرسری معاشرے میں کوئی مرد اس کی حق دہی کا روادار نہ تھا۔ لہٰذا

یہ کہا جا سکتا ہے کہ انیس ناگی کے افسانوی ادب میں جدید تانیثی رویوں کا ریڈیکل پہلو زیادہ نمایاں ہے۔ وہ عورت کو معاشرے کے مروجہ اور روایتی نسائی کردار کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرنا چاہتے ہیں اور ان کے اندر انقلابی رجحانات پیدا کرنے کے خواہش مند نظر آتے ہیں۔ ان کے ہاں تانیثیت بعض صورتوں میں معاشرتی نظم و ضبط کے خلاف بغاوت کی صورت بھی اختیار کر لیتی ہے اور یوں ایک مثبت معاشرتی تبدیلی کے راستے سے منحرف ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ مبارک علی، تاریخ اور عورت (لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۲ء)، ص ۴۴۔

۲۔ زاہدہ حنا، ''ماں سے باپ کی حکمرانی تک'' مشمولہ عورت زندگی کا زنداں (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء)،
ص ۴۹۔

3. مارگریٹ والٹرز Margaret Walters (Feminism : A very Short Introduction
(کراچی: آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۰۷ء)، ص ۳۰، ۳۱۔

4. سیمون دی بوار Simone De Beauvoir(The Second Sex (لندن: ونٹیج، ۱۹۴۹ء)، ص ۲۸۰۔

۵۔ یہ معلومات مرزا محمد خلیل بیگ کے مضمون ''تانیثیت'' مشمولہ مخزن، ش ۲۳ (لاہور: قائداعظم لائبریری) صفحات ۸۷ تا
۸۹ سے ماخوذ ہیں۔

6. تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے لارا برونیل (Laura Brunell) کا مضمون "Feminism Re-imagined: The Third Wave" مشمولہ انسائیکلوپیڈیا Encyclopedia Britannica Book of the Year (شکاگو: انسائیکلوپیڈیا برٹینکا، Inc.، ۲۰۰۸ء)، https://www.britannica.com/contributor/Laura-Brunell/6564
(مورخہ ۱۲/ستمبر ۲۰۱۷ء)۔

۷۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے ڈاکٹر انیس ناگی کی خودنوشت ایک ادھوری سرگزشت (لاہور: جمالیات، ۱۹۹۸ء)، صفحات ۱۴، ۵۵، ۵۷ اور ۸۱۔

۸۔ ایک ادھوری سرگزشت، ص ۳۴۔

۹۔ انیس ناگی، ''پروین کی کہانی''، مشمولہ نئے افسانے کی کہانی (لاہور: جمالیات، ۲۰۰۸ء)، ص ۱۲۰۔

۱۰۔ ''سفرنامہ'' مشمولہ نئے افسانے کی کہانی، ص ۱۰۲۔

۱۱۔ ''عورت کہانی'' مشمولہ بدگمانیاں (کل افسانے، (لاہور: جمالیات، ۲۰۰۱ء) صفحات ۱۱۷۔۱۱۸۔

۱۲۔ انیس ناگی،۳۱۳ بریگیڈ (لاہور: جمالیات،۲۰۰۶ء)،ص ۷۰۔

۱۳۔ انیس ناگی، دیوار کے پیچھے (لاہور: خالدین، مارچ ۱۹۸۰ء)،ص ۱۸۱۔

۱۴۔ انیس ناگی، میں اور وہ (لاہور: مکتبہ جمالیات،۱۹۸۴ء)،صفحات ۱۶، ۱۷۔

۱۵۔ ایضاً،صفحات ۹۵۔۹۶۔

۱۶۔ ایضاً،صفحات ۱۳۹۔۱۴۰۔

۱۷۔ ’’تمثیل ۲‘‘ مشمولہ بدگمانیاں،ص ۲۱۰۔

۱۸۔ انیس ناگی، زوال (لاہور: فیروزسنز،۱۹۸۹ء)،ص ۳۸۔

۱۹۔ انیس ناگی، پتلیاں (لاہور: جمالیات،۲۰۰۱ء)،ص ۱۶۴۔

۲۰۔ ایضاً،ص ۱۶۵۔

۲۱۔ انیس ناگی،’’پاکستانی عورت کی صورتِ حال‘‘ مشمولہ جنس اور وجود، (لاہور: جمالیات،۲۰۰۲ء)، ص ۲۶۔

۲۲۔ سکریپ بک،ص ۵۶۔

۲۳۔ انیس ناگی،کیمپ،مشمولہ فصیلیں (لاہور: جمالیات،۲۰۰۵ء)،ص ۳۸۰۔

۲۴۔ کیمپ،مشمولہ فصیلیں صفحات ۳۷۸۔۳۷۹۔

۲۵۔ انیس ناگی، صاحباں مشمولہ، دانشور (ناگی نمبر) (لاہور: جمالیات،۲۰۱۰ء)،ص ۲۹۲۔

۲۶۔ انیس ناگی، ڈاکٹر، ناراض عورتیں (لاہور: جمالیات،۲۰۰۳ء)،ص ۸۔

۲۷۔ ایضاً،ص ۱۳۔

۲۸۔ جنس اور وجود،ص ۳۳۔

۲۹۔ ایضاً،ص ۳۲۔

مآخذ:

۱۔ انیس ناگی،دیوار کے پیچھے ،خالدین لاہور، مارچ ۱۹۸۰۔

۲۔ انیس ناگی،میں اور وہ ،لاہور، مکتبہ جمالیات ۱۹۸۴۔

۳۔ انیس ناگی،زوال ،لاہور، فیروزسنز،۱۹۸

۴۔ انیس ناگی،ایک ادھوری سرگزشت ،لاہور، جمالیات،۱۹۹۸۔

۵۔ انیس ناگی،کُل افسانے ،لاہور، جمالیات،۲۰۰۱۔

۶۔ انیس ناگی،پتلیاں ،لاہور، جمالیات،۲۰۰۱۔

۷۔ انیس ناگی، پاکستانی عورت کی صورت حال،مشمولہ،جنس اور وجود،لاہور، جمالیات،۲۰۰۲۔

۸۔ انیس ناگی، ۳۱۳ بریگیڈ ،لاہور، جمالیات،۲۰۰۶۔

۹۔ انیس ناگی، کیمپ مشمولہ فصیلیں ،لاہور، جمالیات ۲۰۰۵۔

۱۰۔ زاہدہ حنا،عورت زندگی کا زنداں،لاہور،الحمد پبلیکیشن ،۲۰۱۵۔

۱۱۔ مبارک علی، تاریخ اور عورت،لاہور فکشن ہاؤس،۲۰۱۲۔

۱۲۔ مارگریٹ والٹرز Margaret Walters (Feminism : A very Short Introduction: کراچی آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۰۷ء)،ص ۳۰،۳۱۔

۱۳۔ سیمون دی بوار Simone De Beauvoir (The Second Sex۔۲۸۰ (لندن:ونٹیج، ۱۹۴۹)،ص

۱۴۔ Third Wave" مشمولہ Encyclopedia Britannica Book of the Year (شکاگو:انسائیکلو پیڈیا برٹینکا، Inc.(۲۰۰۸ء، https://www.britannica.com/contributor/Laura-Brunell/6564